

انسان کا مقام و مرتبہ اور اسلام

نعم صدیقی^{۲۱}

میں نے خوب اچھی طرح چھانٹ پر کہ کراپی پوری زندگی جس مذہب انسانیت کے
حوالے کی ہے اس کا نام ہے: امن و سلامتی کا مذہب۔
کسی بھی مذہب پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے دو ہی بنیادی حقیقتیں دیکھی جاتی ہیں۔
ایک یہ کہ اس نے خدا کا تصور کیا دیا ہے؟ دوسرے یہ کہ اس نے انسان کو کیا مقام دیا ہے؟ جہاں خدا
کا تصور نقش یا خلاف حقیقت ہو گا وہاں انسان بھی اپنے اصل مرتبہ و مقام سے ہٹا ہوا ملے گا، اور
جہاں انسان کو اس کے شایانِ شان درجہ نہ دیا گیا ہو، وہاں خدا کا تصور کبھی صحیح اور مطابقِ حقیقت
نہیں ہو سکتا۔ کسی مذہب کے تصور خدا کی کسوٹی اس کا تصور انسان ہے۔ چونکہ مذہب کا مقصود انسانی
زندگی کو بنانا سنوارنا ہے، اس لیے مذاہب کی جانچ میں یہ سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ انسان اور
انسانی زندگی کو کیا درجہ دیتے ہیں۔ آدمی کو جس نظام فکر و عمل کی طرف پکاریے اس کی خودی یہ
دریافت کیے بغیر نہیں رہ سکتی ہے کہ اس نظام میں میرا مقام کیا ہے؟ مادی کائنات کے اٹیچ پر زندگی
کی تمثیل پیش کرنے میں میرے لیے کیا پارٹ تجویز کیا گیا ہے؟ آفرینش کی اس بھروسی مجلس میں
میری نشست کہاں ہے؟

• میں نے جس مذہب انسانیت کا دامن تھا میں ہے اس نے انسان کو سلطنتِ کائنات میں
خدا کے نائب اور خلیفہ اور نمایمیدے کی پوزیشن دی ہے: **إِنَّهُ بَاعْلَمُ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةٌ** (البقرہ
۳۰:۲)۔ خدا کی ساری مخلوق اور رعیت اطاعت و عبادت کے ایک جبری ڈسپلن میں کسی ہوئی ہے:

۲۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ایک مسکی تنظیم کی دعوت پروائی ایم سی اے ہال، لاہور میں یہ خطبہ پڑھا گیا۔

وَلَّهُ أَسْلَمَ هُوَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوِيعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝
 (آل عمران ۸۳:۳)۔ لیکن نوع انسانی کو اخلاقی و تمدنی زندگی کے دائرے میں محدود خود مختاری
 (limited autonomy) سے نوازا گیا ہے۔ خدا نے اس نوع کو اپنی طرف سے ایک روح
 و دلیعت کی ہے: وَنَفَرْتُ فِيهِ مَوْدُودًا ۝ (الحجر ۲۹:۱۵، ص ۲۶:۳۸)۔ اپنی صفات کا
 ایک پروتواس پر ڈالا ہے، علم و شعور کا ایک نور اسے دیا ہے: وَعَلَمَ أَهْمَمَ الْأَسْمَاءَ كُلُّهَا
 (البقرہ ۳۱:۲)۔ اور پھر ارادے کی فاعلانہ قوت دے کر اسے زندگی کی امتحان گاہ میں اٹار دیا ہے۔
 تمام اجرام اور اجسام اور عناصر اور قوی کو اس کی ضروریات پوری کرنے میں لگا دیا ہے اور بے شمار
 مادی ذرائع و وسائل اس کے تصرف میں دے دیے گئے ہیں: وَسَذَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَوَاتِ
 وَمَا فِي الْأَرْضِ بِعِينَةٍ ۝ (الجاثیہ ۱۳:۲۵)۔ پوری سہولتیں انسان کو پہنچادی گئی ہیں کہ
 وہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دے سمجھتے ہوئے اپنی زندگی کو بنائے سنوارے اور ترقی کے
 راستوں پر جتنا بڑھ سکتا ہو آگے بڑھتا جائے۔ خلافت و نیابت کا یہ مقام پا کر آدمی عزت نفس
 (selfrespect) اور ذمہ دارانہ حیثیت کے احساس سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

- میرا زادہ ب انسانی شرف کی دوسرا بنیاد یہ سامنے لاتا ہے کہ انسان کو بہترین ساخت پر
 اٹھایا گیا ہے۔ اس کی فطرت میں کوئی رخنہ نہیں چھوڑا گیا، اس کے خیر میں کوئی بُرائی شامل نہیں
 کر دی گئی، کوئی گناہ اس کے سر پیدائشی طور پر چکانہیں دیا گیا، بدی کا کوئی موروٹی حساب ایسا نہیں
 ہے جو نسل بعد نسل ایک آدم زاد کے کھاتے میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہو۔ ایک بے داغ فطرت
 ہے جس کے اندر زندگی کے مختلف ربحانات اور تقاضوں کو اعتدال اور توازن کے ساتھ سمویا گیا
 ہے۔ یہ آزادانہ فیصلے کے تحت اقدام کرنے والی فطرت ہے۔ جس کے اندر زندگی کے مختلف ربحانات
 اور تقاضوں کو اعتدال اور توازن کے ساتھ سمویا گیا ہے۔ یہ آزادانہ فیصلے کے تحت اقدام کرنے والی
 فطرت ہے جس پر نہ بیکی زبردستی ٹھوٹی جاتی ہے، نہ بُرائی جبراچکائی جاتی ہے۔ اس معنی میں انسان
 کی ساخت بہترین ساخت ہے۔ انسانی فطرت کا یہ تصور جب میرے سامنے آتا ہے تو اپنے اوپر
 میرا اعتقاد قائم ہوتا ہے اور نوع انسانی کا شرف و وقار میری نگاہوں میں بہت بڑھ جاتا ہے۔

انسانی زندگی کی بہترین ساخت ہی کو نمایاں کرنے کے لیے میرے مذہب نے انسان اذل

کی سرگزشت بیان کی ہے۔ جنت میں ریہرسل کا دورگزارتے ہوئے اس سے جوغش ہوئی تھی، اس کے بارے میں میرے مذہب کا بیان یہ ہے کہ ایک تو وہ دیدہ دانستہ نہ تھی بلکہ غلط فہمی اور ناجربہ کاری کی وجہ سے سرزد ہوئی۔ دوسراے اس کے اندر زیادہ اونچے مراتب اور ابدی زندگی پانے کا اعلیٰ مقصد کا فرماتھا: **فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لَيْبُنُكُمَا مَا وُدُّكُمْ عَنْهُمَا وَ**
سَوَّأَتْهُمَا وَقَالَ مَا نَهَكُمَا بِثُكُمَا عَنْ لَهُمَا الشَّبَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكِيُّوْنَ أَوْ تَكُونَا
وَالظُّلَمِيُّوْنَ ۝ (اعراف: ۷۰)۔ تیرے یہ کہ اس لغش پر با غایہ اکثر پیدا ہونے کے بجائے اس کے فوراً ہی بعد احساسِ ندامت ہوا اور آدمؑ اپنی رفیقہ سمیت خدا کے سامنے معافی کے خواست گار بن کر حاضر ہو گئے: **فَإِلَّا وَبِنَا طَلَّقَنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِلْنَا وَتَرْكَنَا**
لَنَكُونُوْنَ وَالنَّسِيْبَوْنَ ۝ (اعراف: ۷۳)۔ اختیار کے استعمال کے اس پہلے تجربے کے بعد اوقیانی انسانی جوڑا بدی کی شیطانی طاقتیوں کے بارے میں پوری طرح چوکنا ہو گیا اور ایک پاکیزہ زندگی کی تعمیر کا نیا عزم لے کر میدان مقابلہ میں اتر گیا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک باختیار مخلوق کے لیے اس سے زیادہ اونچی فطرت کا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ اپنا فرض ادا کرنے میں اگر کبھی اس سے بھول چوک ہو جائے تو وہ اس کا احساس کرے اور پھر اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جائے۔

• میرے مذہب کی تعلیم کی رو سے انسانی شرف و عظمت کا اتنا پاس کیا گیا ہے کہ انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ہمیشہ خود انسان ہی ذریعہ بنائے گئے۔ آدمؑ سے ابراہیمؑ تک اور ابراہیمؑ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جو ہزار ہا پیغمبر اور رسول قوم قوم اور دلیں دلیں میں ہماری تعلیم و تربیت کے لیے مامور کیے گئے وہ سب کے سب گوشت پست کے بننے ہوئے انسان ہی تھے۔ اس کام کے لیے نہ خدا کو خود اتر کے آنا پڑا، نہ فرشتے ہی مقرر کیے گئے اور نہ کسی دوسری مخلوق کو یہ منصب دیا گیا۔ پھر دیکھیے کہ میرے مذہب کا خطاب کسی ایک گروہ اور نسل اور قوم کے لیے خاص نہیں ہوا بلکہ وہ ساری انسانیت کے لیے عام ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بنی نواع انسان ایک گھر انا اور ایک برادری ہیں۔ اس نے کسی خاص عصر کو اپنا چیتا اور لا ڈالنا کرنہیں پکارا بلکہ اے انسان، **يَا يَهَا الْأَنْسَاءُ** (الانفطار: ۸۲)، **الإِنْشِقَاقُ ۚ ۲:۸۲**) اور اے لوگو: **يَا يَهَا النَّاسُ** (البقرہ: ۲۱:۲، النساء: ۱:۲۰، ۱:۲۱، ۱:۲۲، ۱:۲۳، ۱:۲۴، یونس: ۱۰:۲۷، ۱۰:۲۵، ۱۰:۲۶، الحج: ۱:۲۲، الفاطر: ۳:۳۵، ۵:۳، ۱۵:۱)

الحجرات ۱۳:۲۹) کہہ کر ساری اولاد آدم کو سچائی اور نیکی کا پیغام کیساں سنایا ہے۔ وہ سورج اور ہوا اور بارش کی طرح اپنا فیضان عام رکھتا ہے۔ وہ انسانیت کے مقابلے میں اور کسی چیز کو وجہ احترام نہیں مانتا۔ وہ ان ساری تقسیموں سے انکار کرتا ہے جو انسان اور انسان کو آپس میں کاٹتی اور ان میں جھوٹی اونچی نیچی پیدا کرتی ہیں۔ وہ ایک ہی تقسیم کو مانتا ہے اور عزت و ذلت کا ایک ہی معیار تسلیم کرتا ہے، یعنی کون سچائی اور نیکی میں آگے ہے اور کون پیچھے ہے: **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْتَ اللَّهِ أَتَقْلُمْ** (الحجرات ۱۳:۶۹۔ لَيْسَ لِأَكْبَرَ فَضْلٌ عَلَى أَكْبَرٍ إِلَّا بِمَا يُرِيَ لَهُ عَمَلٌ سَالِمٌ) (مسند امام احمد)۔ حدیث کہ وہ نہیں جھابندیوں اور ان کے نمائیش سائنس بورڈوں کو بھی کوئی وزن نہیں دیتا: **إِنَّ الظَّاهِرَ أَمْنًا وَ الظَّاهِرَ حَاطِنًا وَ النَّحْرُدَ وَ الشَّبَيْرَ أَمْنٌ بِاللَّهِ وَ الْبَيْرُ** **الْأَنْزِرُ وَ عَمَلَ سَالِتًا فَلَهُمْ أَبْرُرُهُمْ عِنْتَ دَيْرَهُمْ** (البقرہ ۲: ۲۵۶)، بلکہ جو لوگ خود اُس کا اپنا ٹھہرے مانتے ہیں انھیں بھی وہ مجرد ظاہری ٹھہرے کی بنا پر قابل قدر نہیں مانتا۔ وہ صرف یہ پوچھتا ہے کہ تم چاہے گورے ہو چاہے کالے، تم چاہے سامی ہو یا حامی، تم چاہے مرد ہو یا عورت، بتاؤ کہ سچا ایمان اور کھرا کردار کس کے پاس ہے۔ وہ یہاں تک کہتا ہے کہ جس نے انسانیت کو کاٹنے والی جاہلی عصیتوں کا نفرہ بلند کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں: **مَنْ قَاتَلَهُ تَنْذِلَةً** **وَمَا يَعْلَمُ يَغْصَبُ لِعَكِيَّةً مَا وَيَفْعُومَا إِلَلَ عَكِيَّةً مَا وَيَنْتُرُ عَكِيَّةً فَقَتْلَةً قَتْلَةً** **بِالْجَاهِلَةِ** (مسلم، نسائی)

● میراندھب انسان کی فطرت سے حسین ختن رکھتا ہے، اس کے دل و دماغ پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے فطری حق خود ارادیت کا پورا پورا احترام کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اس سے اپنی بات جبرا اکراہ سے نہیں منوata، بلکہ اس کی عقل کے سامنے سوچنے اور سمجھنے کے لیے سارا موادر کھو دیتا ہے اور صاف صاف سنا دیتا ہے کہ عقیدے اور مذہب کے بارے میں کسی کو کسی پر زبردستی کرنے کا حق نہیں: **لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ** (البقرہ ۲: ۲۵۶)۔ وہ تیج در تیج عقیدوں کی بھول بھیلوں میں نہیں ڈالتا۔ وہ کچھ انوکھے نظریوں پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانے کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وہ شعبدوں سے مسحور نہیں کرتا اور دماغی کشتوں کے دنگل جما کر لوگوں کو مغالطوں میں نہیں ڈالتا بلکہ سیدھا سیدھا افہام و تفہیم کا طریقہ اختیار کرتا ہے: **قَنْ بَيْنَ لَكُمْ الْأَيْمَنُ لَعَلَّكُمْ تَغْفِلُونَ** (الحدید

۷۵:۱۷)۔ وہ زندگی کے دورا ہے پر کھڑے ہو کر آدمی کو حق اور باطل کے دونوں راستوں سے آ گا ہ کر دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ جی چاہے تو اس ہاتھ مڑ اور جی چاہے تو اس ہاتھ اقدام کرو: فَقُلْ شَاءَ فَلَيُؤْمِنُ وَ مَوْ شَاءَ فَلَيَكُفُرْ ۝ (الکف ۲۹:۱۸)۔ میرا منہب دنیا کے ہر سیاسی نظام کی سیاست کے دائرے میں بلاشبہ قوت کا استعمال کرتا ہے، لیکن عقیدہ و مذهب کے دائرے میں وہ دلیل کے سوا کسی دوسری طاقت کی ایک رقم بھی استعمال نہیں کرتا۔ یہ انسانی اختیار کا احترام ہے اور اس کی آزادی ضمیر کی پاسبانی ہے۔ بخلاف اس کے اگر کسی مذهب نے لٹھ چلا کر بات منوانے کا طریقہ اختیار کیا ہو تو وہ گویا انسانی شرف و احترام کا خاتمه کر کے رکھ دے گا۔

- میں اپنے مذهب سے اس لیے بھی محبت کرتا ہوں کہ یہ مجھے ایک خدا کی بارگاہ پر پہنچا کر دوسری تمام بارگاہوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہ انسان کے سامنے ایک ہی مرکز روح ایسا رکھتا ہے جس کے سامنے سجدہ عبادت بھی گزارنا ہے، جس کے آگے دامن دعا بھی پھیلانا ہے: إِيمَانَ
نَعْبُدُ وَ إِيمَانَ نَسْتَعِينُ (الفاتحہ: ۱)۔ اور جس سے پوری کی پوری زندگی کی ہدایت اور ضابط اور قانون بھی لینا ہے: إِنَّهُ كَذَا مَا لَلَّهُ كَفُوءُ الْهَمَّ لَا نَعْلَمُ (النعام: ۲۶)۔ یہاں مذهب اور دنیاداری کی تقسیم نہیں، یہاں خدا اور قیصر کے درمیان کوئی نہیں، یہاں پیلک اور پرائیویٹ دوزندگیاں نہیں، ایک ہی زندگی ہے اور اس کا ایک ہی ما لک و فرمائیں روا ہے۔ یہ تصورِ توحید انسان کو خود داری اور شرف کے اونچے مرتبے پر پہنچا دیتا ہے۔ خدا اور انسان کے درمیان یہاں کوئی پردہ اور روک حائل نہیں، یہاں نیچ میں کوئی واسطہ اور سفارشی اور وکیل نہیں۔ یہاں مذہبی اجراء داروں کے کسی طبقے کی اخخاری نہیں چلتی۔ یہاں پروتوں اور پچاریوں کی مندرجیں راستے میں رکاوٹ نہیں ڈالتیں۔ یہاں خدا اپنے بندوں کو پکار کر کہتا ہے کہ میں تمھارے ساتھ ہوں: هُوَ مَعْكُنْ أَيُّ
مَا كُنْتُمْ (الحدید: ۲۵)، میں تمھارے قریب ہوں: وَإِنَّا سَالَةَ عِبَادٍ عَنِّدَ فَانِدٌ
قریب (آل بقرہ: ۲۶)۔ مجھ سے براہ راست رابطہ پیدا کرو۔ یہ تصورِ توحید انسان کو خدا سے اتنا قریب کر دیتا ہے کہ اس کی مدد و قیمت خود اپنی نگاہوں میں بہت بڑھ جاتی ہے۔
- میرا منہب آدمی کو ایسی مذہبی زندگی میں نہیں ڈالتا جو اسے ذلت و کمتری کے احساس میں بنتا کر دے۔ وہ اسے ایک مضخلہ اور تماشا نہیں بتاتا۔ وہ اسے گندرا اور نگ دھڑنگ رہنا نہیں

سکھاتا۔ وہ اسے اپنے پیچھے گھستئے رہنے کا درس نہیں دیتا۔ وہ نہیں کہتا کہ خدا کو حاصل کرنے کے لیے دنیا کی ساری ذمہ داریوں کو تج کر جنگلوں میں شکریں مارتے پھرو۔ وہ نہیں سکھاتا کہ نیک بننے کے لیے آدمی کو تمدنی فرائض سے بھاگ کر عبادت گاہ کی تاریک کوٹھڑی میں چشم گوش بند کر کے پڑھنا چاہیے:

وَهَبَانِيَةٌ لِتَكْعُونُ لَهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ ۖ ۵: ۲۷)

النَّاسَ وَيَسِّرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ (ترمذی)۔ بخلاف اس کے میرا مذہب متمن انسان کا مذہب ہے۔ وہ اسے صاف سترھا، خوش ذوق اور خوش پوش: قُلْ هُنَّ دَرِّ زِينَةِ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعَابِيهِ وَ الطَّيِّبَاتِ وَ الرِّزْقَ (اعراف ۷: ۳۲)، دنیا کے کاموں میں مصروف: لَا تَنْسِ نَسِيْبَتِي وَ الْمُثْنِيَا (القصص ۲۸: ۷)، تمام انسانی رشتؤں کے حق ادا کرتا ہوا: وَ إِلَوَالِيَّيْوْ إِنْسَانًا وَ بِنِيَدَ الْقُوبَدَا وَ الْيَتَمَدَا وَ الْمُسَكِيَّيْوْ وَ الْبَارِيَدَ الْقُوبَدَا وَ الْبَارِيَ الْبَنِيَ وَ الْطَّابِيَدَ بِالْبَنِيَ وَ ابْنَوَ السَّيِّلَهِ وَ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانِكُمْ (النساء ۳۲: ۳)، معاشی جدوجہد میں سرگرم: وَابْتَغُونَا وَ فَعْلِهِ اللَّهُ (الجمعہ ۱۰: ۲۲)، علم و فکر کے لحاظ سے ترقی کی راہ پر گامزن اور مشکلات اور رکاوٹوں کے خلاف مصروف جہاد دیکھنا چاہتا ہے (مسلم)۔ لَأَنْوَرْ عَلَىٰ مَا يَنْفَعُهُ وَ اسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَ لَا تَغْبَرْ (ربیاض الصالحین، باب فی المجاہدہ)۔ وہ صرف یہ تقاضا کرتا ہے کہ ساری اجتماعی سرگرمیاں خدا کے مقر کردہ اخلاقی و قانونی حدود کے اندر رہنی چاہیں: وَ الظِّلَّةُ وَ لِذِمْنِ اللَّهِ (التوبۃ ۱۱۲: ۹)۔ ظاہر ہے کہ اس تصور مذہب کے تحت انسان کو اپنی قدر و مزملت کا ایک نیا احساس حاصل ہوتا ہے۔

• میرے مذہب انسانیت میں انسانی جان کا احترام نظامِ تمدن کی ایک اہم بنیاد ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس کسی نے کسی ایک انسانی جان کو بھی قانونی حق کے بغیر ہلاک کیا اس نے گویا ساری انسانیت کو ہلاکت کے خطرے میں ڈال دیا: هُنَّ قَاتِلَنَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَابِ فِدَا لَأَلْهَمِرْ فَكَانَهَا قَاتِلَ النَّاسَ بِجِيْغا ط (المائدہ ۵: ۳۲)۔ اس معاملے میں میرا مذہب اتنا حس س ہے کہ اگر اس کا کوئی بڑے سے بڑا منے والا اس مذہب کے کسی مخالف کو بھی ناقن قتل کر دے تو وہ اس اپنے ماننے والے آدمی کے خلاف قانونی کارروائی پوری کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جان کے بعد وسرے درج پر میرے مذہب میں انسانی ملکیت کا احترام بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور

کسی بڑی سے بڑی طاقت کی مجال نہیں کہ اس کے نظام میں کسی دوسرے کا ایک تنکا بھی ناروا طور پر
لے سکے: وَلَنْسَ الْلَّامَ أَذْيُرْجِعُ شَيْنَا مَأْكِبَ الْأَبْتُ ثَابِتَ مَغْرُونْفِ۔ (کتاب الخراج)۔
اسی طرح بلا امتیاز وہ ہر انسان کی عزت و عصمت کا محافظ بن کر سامنے آتا ہے۔ پھر وہ رائے اور
خیال کی آزادی کے حق کا پاسبان ہے اور ایک ایک فرد کے لیے وہ کوئی رائے رکھنے اور اسے ظاہر
کرنے کا، کسی عقیدے کو اختیار کرنے اور اس کے مطابق مذہبی عبادات و مراسم بجا لانے کا، اور
حکمران طاقت سے اختلاف کرنے اور اس پر تقدیم کرنے کا پورا پورا حق تسلیم کرتا ہے۔ انسانی آزادی
کا اس حد تک احترام ملحوظ ہے کہ وہ باضابط قانونی کارروائی کے ذریعے جرم ثابت ہوئے بغیر
کسی شخص کو قید کرنے، یا اس کی نقل و حرکت پر پابندیاں عائد کرنے کا کسی کو حق نہیں دیتا: إِلَيْهُ مُؤْسَرٌ
وَمُلْهٌ فِي الْأَسْلَامِ بِغَيْرِ الْعَمَلِ (قول عمر، مؤطا، باب الشرط الشاهد)۔ پھر وہ بلا امتیاز تمام
انسانوں کو قانون کی نگاہ میں ایسی معیاری مساوات عطا کرتا ہے کہ ایک معمولی شہری اور صدر مملکت
کو اس نے عالم واقعہ میں ایک سٹھ پر لا کھڑا کیا: يَا أَعْلَمُ إِنَّا بَلَسْ إِلَيْنَاهُ الْخَمَارَ فَلَا
نَقْرِبُ بَيْنَهُمَا تَتَدْ نَسْعَهُ مِنَ الْأَنْثَرِ كَمَا سَعَتَ مِنَ الْأَوَّلِ۔ (ابوداؤد، ترمذی)۔

• پھر میرا مذہب اپنے ماننے والوں کے منظم معاشرے کو ایک ایسا نظام معيشت قائم
کرنے کی تعلیم دیتا ہے جو سارے نسلی اور مذہبی امتیازات سے بالآخر ہو کر محتاج اور ضرورت مندوں کو
سہارا بھیم پہنچائے: وَفَلَّ أَمْوَالَهُمْ تَوْلِلَ السَّائِلُ وَالْمُفْرُوعُ ۝ (الذاريات ۱۹:۵)۔ چنانچہ
میرے مذہب کے ماننے والے ایک مثالی حکمران نے ایک مرتبہ ایک بوڑھے عیسائی کو بھیک مانگتے
دیکھا تو ماتحت کارکنوں کو ڈانٹا اور اسی لمحے سرکاری خزانے سے اس کے نام وظیفہ جاری کرنے کی
ہدایت دی (الفاروق، جلد دوم، ص ۲۱۳)۔ پھر انسانی احترام کی یہ حد ہے کہ اپنے دشمن سے
میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے بھی میرا مذہب مجھے اس سے روکتا ہے کہ میں عورتوں اور بوڑھوں
اور بچوں اور عام شہری آبادی پر ہاتھ اٹھاؤں، کسی کا چہہ مسخ کروں اور کسی کی نعش کی بے ہرمتی
کروں: نَهَدَ رَسُولُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ النِّسَاءَ وَالْجِنَّاَ وَ(نسائی)۔ إِنَّا قَاتَلَ أَهْلَكُمْ،
فَلَيَنْتَهِيَ الْوَبَةُ۔ يَنْهَدَ رَسُولُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَاتَلَ الْكَبَرَ (ابوداؤد)، نَهَدَ رَسُولُ اللَّهِ
عَزَّ وَجَلَّ نَهَدَ وَالْمُنْظَأَ (بخاری)

• میر امدھب انسانوں کی خدمت کا ایک وسیع پروگرام میرے سامنے رکھتا ہے اور دوسروں کے بہت سارے حقوق میرے اوپر عائد کرتا ہے۔ رشید داروں میں سے والدین درجہ اول پر آتے ہیں اور چاہے وہ میرے مذہب کے ماننے والے ہوں یا مخالف ہوں، ہر حال میں ان کی خدمت اور ان کا ادب مجھ پر واجب ٹھیک رکھا گیا ہے۔ ان کے بعد درجہ بد رجہ دوسرے قرابت داروں کی بھلائی چاہنا میرے اوپر لازم ہے۔ عام انسانی برادری میں سب سے پہلا مرتبہ پڑوئی کا ہے۔ میر امدھب کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں پیٹھ بھر کر سوئے کہ اس کا پڑوئی فاقہ میں بنتا ہو تو ایسے شخص کا دین و ایمان بالکل بے معنی ہے: **أَلَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالْمُنْدَلِ يَشْبُعُ وَجَاءُهُ بَايْعَهُ اللَّهُ بَنْبِيهِ** (مشکوٰۃ)۔ اسی طرح میرے مذہب میں اس شخص کا ایمان معتبر نہیں جس کی شرارتیوں سے اس کا پڑوئی پریشان رہے: **وَاللَّهُ لَا يُؤْمِنُ الْمُنْدَلِ لَا يَأْمُرُ بِجَاءُهُ بَوَاقِهُ** (ریاض الصالحین، باب حق الجار)

• میرے مذہب نے سچائی اور نیکی کا تاریخی معیار ہی انسانوں کے بھلے کو فرا دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تاریخ میں اسی نظریہ و مسلک کا چلن ہوتا ہے اور وہی روایات اور قدیم زندہ رہتی ہیں جو انسانیت کی خیر و فلاح کا ذریعہ ہوں۔ باقی جو کچھ ہے وہ جھوٹ میل ہے جسے تاریخ کی کٹھائی جلا کر راکھ کر دیتی ہے: **وَمَا مَا يَنْفَعُ النَّاسُ فَيَنْكُثُ فِي الْأَذْضَرِ** (الرعد: ۱۳)

• میر امدھب گھر کی چار دیواری سے لے کر حکومت کے ایوان تک اور اندر وہ ملک کے معاملات سے لے کر بین الاقوامی سرگرمیوں تک مجھے انسانیت دوستی کی روح سے بھرا ہوا ایک وسیع نصب العین دیتا ہے۔ وہ مجھ سے چاہتا ہے کہ میں اپنی زبان، اپنے ہاتھ پاؤں، اپنے دماغ، اپنے قلم اور اپنے روپے پیسے کی ساری قوتیں اس مہم میں لگادوں کے سچائی اور نیکی کا پیغام ہر انسان تک پہنچ: **مَكْنُتُمْ ذَيْ أُمَّةٍ أُخْرَجْتُ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** (آل عمرن: ۱۱۰)، اور جھوٹ اور ظلم اور بُرائی اور فساد کا زور ٹوٹ جائے: **وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونُوْ فِتْنَةً** (انفال: ۸)

• وہ اس پر مطمئن نہیں ہوتا کہ میں ذاتی حد تک کچھ جزوی نیکی کو سینے سے لگائے بدی کے اجتماعی ماحول میں امن چین سے پڑا رہوں، بلکہ وہ مجھ سے تقاضا کرتا ہے کہ اپنے دوسرے لاکھوں

بھائیوں کی بھلائی کے لیے کسی بھی فاسد نظام کے خلاف تبدیلی کی جدوجہد کروں: **جَهَنَّمُ**
أَزْسَلْهُ رَسُولُهُ بِالْفُلْكِ وَصَبَرُو الْحَوْلُ لِيُنْظَهُهُ عَلَى الْمَبْيَوْ مُكَلَّمَف١ ۶۹:۲۱۔ اس میں میرا مذہب مجھے یہ سکھاتا ہے کہ انسانی بھلائی کے کسی بھی نیک کام کے لیے میں بغیر کسی تعصب کے ہر انسانی طاقت سے تعاون کروں اور انسانوں کی بھلائی کے خلاف پڑنے والے غلط کاموں میں کسی عزیز سے عزیز اور قریبی سے قریبی کا بھی ساتھ نہ دوں: **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ**
وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُنُوشِ (المائدہ ۲:۵)۔ اس میں کی بنیاد میرے مذہب نے خالص انسانی محبت و اخوت کے جذبے پر رکھی ہے۔

حضرات! ان چند مختصر اشارات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ میرے مذہب، دین اسلام نے انسان کو کیا مقام دیا ہے۔ بس خاتمه کلام کے طور پر میں ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ میرا مذہب اُن محدود معنوں میں مذہب نہیں ہے جن میں یہ لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے، بلکہ وہ ایک دین یا ایک نظام زندگی ہے۔ اس کی بنیاد پر کوئی جامد فرقہ نہیں پیدا ہوتا بلکہ ایک متحرک پارٹی تشکیل پاتی ہے۔ وہ کوئی مذہبی مشن نہیں کھڑا کرتا بلکہ ایک بین الاقوامی تحریک پا کرتا ہے۔ وہ مجرد وعظ نہیں ستاتا، عملی مسائل کو اپنے ہاتھ سے حل کرنا چاہتا ہے۔ وہ کسی سے تبدیلی مذہب نہیں چاہتا بلکہ ذہن و کردار کی مکمل تبدیلی مانگتا ہے۔ اس کا منتها چند پاک بازار افراد پیدا کردیاں ہیں، وہ نیکی کا ایک جہانی نظام سیاست و تمدن وجود میں لانا چاہتا ہے۔

الحمد لله! مسلمان بچے (اول)، قرآنی تعلیمات (دوم) اور اسلامی آداب و اخلاق کے نفس ایڈیشن چھپ کچے ہیں۔ دسمبر کے پہلے ہفتے سے احباب میں تحفۃ تقسیم شروع ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔ مقامی حضرات دستی وصول کریں، جب کہ دیگر حضرات ۵۰ روپے کے ڈاکٹ ملکٹ ارسال کریں۔

شیخ عمر فاروق، ۱۵-بی، وحدت کالونی، لاہور۔ فون: 042-37810845